مظفر وارثی کی نعتیہ شاعری

نصیر احمد اعوان

Abstract:

The current research study reveals the unique and innovative aspects of Muzafar Warsi's verse and prose work. The present research focuses Warsi's unique style, both in thematic and structure in the form of his modern poetry. The contents of the artical are substantiated by some instances from his auspicious work, especially his natia ghazal that has quite a large part in his comprehensive work.

مظفر وارثی کا پورا نام مظفر الدین احمد تھا۔ وہ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۳ء کی صبح میرٹھ میں محمد شرف الدین احمد المعروف علامہ صوفی وارثی میرٹھی کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان میرٹھ کے ایک گاؤں علی پور سے آ کر میرٹھ شہر میں آباد ہوا۔ علامہ صوفی وارثی ایک مایہ ناز علمی و ادبی شخصیت کے مالک تھے۔ جمعیت علمائے ہند کے سرگرم ارکان میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ وہ علامہ محمد اقبال کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ وارثی سلسلہ کے بانی حاجی پیر وارث علی شاہ کے مرید تھے۔ صوفی وارثی شاعری میں نوح ناروی کے شاگرد تھے اور نوح ناروی کو داغ دہلوی کا تلمذ حاصل تھا۔ علامہ صوفی وارثی ۲۴ نومبر ۱۹۴۷ء کو اپنے اہل خانہ اور عزیز و اقارب کے ہمراہ میرٹھ سے لاہور پہنچے۔ مظفر وارثی فارغ التحصیل ہو کر سٹیٹ بنک آف پاکستان میں ملازم ہو گئے اور زندگی کے ۳۶ برس ملازمت کی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ساری زندگی لکھنے اور پڑھنے میں گزاری۔ روزنامہ نوائے وقت کے لیے قطعات بھی لکھتے رہے۔ مظفر وارثی بالآخر لاہور میں ۲۸ جنوری ۲۰۱۱ء کو اس عالم آب و گل کو چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

مظفر وارثی کو قدرت نے ایسی غیر معمولی صلاحیتیں ودیعت کی تھیں جو ہزاروں انسانوں میں کہیں دو چار خوش نصیبوں کے ہاتھ میں آتی ہیں۔ حقیقت میں وہ نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ ان کا ادبی ذوق قیام پاکستان کے بعد سامنے آیا لیکن شاعری میں دلچسپی بچپن ہی سے تھی۔ شروع میں وہ والد محترم کی غزلیں ترنم سے پڑھا کرتے لیکن بعد میں وہ خود شعر کہنے لگے۔ اردو شاعری میں مظفر وارثی نے تقریباً ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے جن میں غزل،

نظم، حمد، نعت، منقبت، قطعات، گیت اور ہائیکو جیسی اصنافِ سخن شامل ہیں۔ جب کہ نثر میں بھی اپنی خودنوشت "گئے دنوں کا سراغ" یادگار چھوڑی ہے۔ وہ نعت میں عالم گیر شہرت کے حامل ٹھہرے اور جدید غزل کے بھی صف اول کے شعرا میں شمار کیے گئے لیکن ان کی عظمتِ فن کا اعتراف کما حقہ نہیں کیا گیا۔

مظفر وارثی بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے اور فن شعر میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ شاعری میں وہ کسی خاص حلقے کے اسیر نہیں ہوئے۔ انہوں نے رسمی راستے چھوڑ کر اپنا نیا راستہ اختیار کیا۔ مظفر وارثی نے جب صنفِ نعت کی طرف توجہ کی تو ان کا شعری مزاج بھرپور طریقے سے ان کی نعت میں جھلکنے لگا۔ ان کے خاص اور منفرد اسلوب نے ان کی شاعری کو اور چمکا دیا۔ نعت سے اپنی محبت اور لگاؤ کا اظہار انہوں نے یوں کیا۔

جنتِ فکر میں ذہن رہنے لگا
میں غزل گو تیری نعت کہنے لگا
تیرا احسان ہے
میری پہچان ہے
اب فقط تیرا نام
تجھ پہ لاکھوں سلام (۱)

مظفر وارثی غزل کو اپنی دنیا اور نعت کو اپنا دین سمجھتے تھے۔ جب انہوں نے غزل کے دامن کو چھوڑ کر وادی نعت میں قدم رکھا تو اس عظیم صنفِ سخن کو وسیع تر شعری وحدت میں پرو دیا پھر تو نعت ان کی شاعری کا نمایاں وصف ہوگئی۔ انہوں نے نعت کو اپنے قلب و روح میں بسا کر ایک منفرد اسلوب اپنایا اور اس میدان میں اپنی انفرادیت تسلیم کرائی۔ اردو نعتیہ شاعری میں انہوں نے جدید شعری رجحانات کی بھرپور عکاسی کی ہے اور قدیم شعری روایتوں سے بھی شعری رشتہ استوار رکھا ہے۔ اس کی واضح مثال ان کی شاعری میں دیکھی جا سکتی ہے۔

آج کی اقدار ہوں ماضی کی عظمت بھی تو ہوں
میں غزل گو شاعرِ بزمِ رسالت بھی تو ہوں
نقطہ کہلاؤں گا ، کٹ جاؤں لکیروں سے اگر
جدتوں سے ہی نہیں ناتا ، روایت بھی تو ہوں (۲)

جدید منفرد لہجہ، اچھوتی فکر و ہیئت اور خوبصورت لفظیات مظفر وارثی کا طرۂ امتیاز ہے جو انہیں دوسرے نعت گو شعراء سے الگ مقام دلاتا ہے۔ حرف وصوت کے باغیچوں میں بلبل بیتاب کی طرح نغمہ سنجی مظفر وارثی کو اپنے ہم عصر شعراء میں وہ امتیازی شان عطا کرتی ہے جس میں وہ اپنے اندازِ نعت گوئی کے آپ ہی موجد و خاتم نظر آتے ہیں۔ انہوں نے نعت کو ایک نیا لباس عطا کیا اور اس فن میں ایسا کمال دکھایا کہ اسلوب اور آہنگ کے اعتبار سے دیگر نعت گو شعراء سے اپنی علیحدہ شناخت کرائی۔ ان کی نعتوں کا خاص اسلوب مترنم بحور ہیں۔ ان کی نعتیہ نظم "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک" کا ایک خوبصورت بند دلیل کے لیے ملاحظہ کیجئے۔

تو امیرِ حرم
میں فقیرِ عجم
تیرے گُن اور یہ لب؟
میں طلب ہی طلب، تو عطا ہی عطا
تو کجا من کجا (۳)

مظفر وارثی نے پہلی نعت ''رحمۃ للعالمین'' ۱۹۷۲ء میں کراچی کے ایک مشاعرے میں پڑھی تھی جس کے ہر بند میں ترنم اور نغمگیت جھلکتی دکھائی دیتی ہے اور قاری پڑھ کر جھومنے لگ جاتا ہے۔

یا رحمۃ للعالمیں
الہام، جامہ ہے ترا
قُرآں، عمامہ ہے ترا
منبر ترا، عرشِ بریں
یا رحمۃ للعالمیں
آئینۂ رحمت بدن، سانسیں، چراغِ علم وفن
قربِ الٰہی، تیرا گھر، الفقر فخری، تیرا دھن
خوشبو تری، جوئے کرم
آنکھیں تری، بابِ حرم
نورِ ازل، تیری جبیں
یا رحمۃ للعالمیں (۴)

پروفیسر محمد اکرم رضا مظفر وارثی کے ترنم کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''مظفر وارثی کو ربِ کریم نے حسنِ ترنم سے نوازا ہے۔ ان کی آواز کانوں میں رس گھولتی ہوئی نعت کے حسن کو دلوں کے خلوت کدے میں پہنچا دیتی ہے۔ان کا ترنم کسی کی نقل نہیں ہے۔انہوں نے گلستانِ نعت میں خود اپنا اسلوب تراشا ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے چھوٹی بحروں اور ترنم ریز بحروں کا انتخاب کیا۔ ان میں لفظوں کا حسن ہے۔معنی کا شکوہ ہے، مفاہیم کا جمال ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے مصرعے ازخود سازِ فطرت کی نوا بن کر حسنِ سماعت بنتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔'' (۵)

ان کی بے شمار نعتیں آج بھی زبان زدِ عام ہیں۔نعت میں بے پناہ خدمات کی وجہ سے ان کو تمغہ برائے حسن کارکردگی عطا کیا گیا۔ محبت رسولؐ کا جذبہ ان کے دل ودماغ میں رچ بس گیا تھا۔اس کا اظہار ان کے نعتیہ اشعار میں ملتا ہے۔ان کی مشہورِ زمانہ نعت کا ایک بند دیکھیے۔

مرا تو سب کچھ مرا نبیؐ ہے

سیاہیاں مجھ میں داغ مجھ میں

جلیں اسی کے چراغ مجھ میں

اثاثہء قلب وجاں وہی ہے

مرا تو سب کچھ مرا نبیؐ ہے (۶)

مظفر وارثی جتنے اچھے نعت گو تھے اتنے ہی اچھے نعت خواں تھے ۔انہوں نے دور جدید کے تقاضوں کے مطابق نعت کو مترنم اسلوب عطا کیا جوان کی نمایاں خوبی ٹھہری ۔ان کی آواز میں ایسی سُر اور لے تھی جو کانوں میں رس گھول دیتی تھی ۔ان کے مترنم اسلوب کے حوالے سے ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں ۔

> ''مظفر وارثی نے اردو نعت کو مترنم اسلوب دیا ۔ان کی نعت گوئی کا غالب اظہار پیرایہء غزل ہی میں ہوا ہے مگر انہوں نے قطعہ بند نظموں کی صورت میں بھی نعتیں لکھی ہیں ۔ان نظموں کے تخلیقی پس منظر میں ان کا ذوقِ ترنم چھلکتا ہے ۔ ان کی بحریں مختصر، زبان سہل اور لب ولہجہ سادہ ہے اور اسی ترنم اور سادگی کے سبب وہ محافل نعت میں بڑے ذوق وشوق سے سنی جاتی ہیں ۔''
>
> (۷)

عصر حاضر کی اردو نعت میں غزل کا رنگ نمایاں ہے ۔ایسے رنگ میں نعت گوئی دو دھاری تلوار پہ چلنے کے مترادف ہے کیونکہ غزل میں تو شاعر دیوانہ وار جوش جنوں میں کوہ ودشت میں گھوم پھر سکتا ہے اپنا گریباں چاک اور سر خاک آلود کر سکتا ہے مگر نعت میں تو وہ عالی مقام محبوب حضرت محمدؐ سے جو حبیب کبریا ہے اس کی بارگاہ اقدس میں تو جنیدؒ وبایزیدؒ جیسے بزرگ بھی نفس گم کردہ آتے ہیں ۔اس لیے یہاں اظہار عقیدت کو محض جذبات کے سپرد نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہاں تو عاشق کو ''ہزار بار بشویم دہن زمشک گلاب'' کر کے اپنی محبت کا اظہار کرنا پڑتا ہے ۔

مظفر کی غزلیہ ہیئت میں نعتیں بے شمار ہیں اور اس لحاظ سے لائق صد تحسین ہیں کہ ان میں ایک خاص سجاؤ اور رکھ رکھاؤ ہے ۔ان کے ہاں موزوں الفاظ، دل کش اسلوب، خوبصورت قوافی، عمدہ ردیفیں اور ترنم عہد حاضر کے نعت گو شعراء میں انہیں منفرد مقام عطا کرتا ہے ۔

میر امرکز طواف آپؐ کا حرم ، آپؐ کی قسم

میری چاہتوں کا عرش آپؐ کے قدم ، آپؐ کی قسم

میرے واسطے درود بھی نماز ہے ہر جواز ہے

میری زندگی کا راز آپؐ کا کرم ،آپؐ کی قسم (۸)

غزل کی ہیئت میں ان کی نعتیں نعت کے ادب واحترام کو چار چاند لگا دیتی ہیں ۔ایک نعتیہ غزل کے چند اشعار پیش خدمت ہیں ۔

رسیا درود کے متمنی دعا کے ہیں

ہم رہنے والے وادیِ ذکر وثنا کے ہیں
قرآں کے لفظ لفظ سے پھوٹے جو روشنی
اس میں تمام رنگ مرے مصطفیؐ کے ہیں
دیکھا ہے میں نے عشق محمدؐ میں ڈوب کر
اس بحر کی تہوں میں کنارے بقا کے ہیں (۹)

مظفر وارثی نے غزل کی ہیئت کے ساتھ ساتھ ہر طرح کی شعری ہیئت میں نعت کہی ہے لیکن جو چیز انہیں دوسرے نعت گوشعراء سے ممتاز کرتی ہے وہ ان کی نعت خوانی کی قدرتی صلاحیت، پرسوز اور دل کش آواز اور حضور اکرمؐ سے بے پناہ محبت وخلوص ہے۔موجودہ دور میں ہر طرف نفسانفسی کا یہ عالم ہے کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے، انسان انسان کا گوشت کھا رہا ہے۔مظفر وارثی جیسا حساس دل شاعر اپنے قلبی کرب اور دکھ کا اظہار بارگاہ نبویؐ میں یوں کرتا ہے۔

بھائی کا بھائی نے خون ہنس کے بہایا کیسے
گوشت انسان کا انسان نے کھایا کیسے
کب ترے ساتھ اسے پیار کا ڈھب آئے گا
تیرا دریائے کرم جوش پہ کب آئے گا (۱۰)

مظفر وارثی نے اردو نعتیہ شاعری میں نئے نئے امکانات پیدا کیے ہیں انہوں نے فکری اور فنی دونوں حوالوں سے جدید دور کی نعت میں رنگا رنگ فضاء پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس قدر انہوں نے نعتیہ شاعری میں مختلف ہیئتی تجربات کیے ہیں کسی دوسرے نعت گو شاعر کے ہاں ہمیں کم ملتے ہیں۔گیتوں کی ہیئت میں انہوں نے بہت ساری نعتیں لکھی ہیں۔گیتوں کی ہیئت میں ترنم اور غنائیت کی فراوانی ہوتی ہے اس لیے نعت خواں حضرات اس ہیئت میں لکھی ہوئی نعتوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ہیئتی تجربات کسی بھی شاعر کے قادر الکلام ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔مظفر وارثی کے ہاں بھی گیتوں کی ہیئت میں لکھی ہوئی نعتیں ملتی ہیں اس کی ایک مثال یہ دیکھیے۔

ورفعنالک ذکرک
تری خوشبو مری چادر
ترے تیور مرا زیور
ترا شیوہ مرا مسلک
ورفعنا لک ذکرک
مری منزل تری آہٹ
مرا سدرہ تری چوکھٹ
تری گاگر

مرا ساگر
ترا صحرا مرا پنگھٹ
میں ازل سے ترا پیاسا
نہ ہو خالی مرا کاسہ
ترے واری مرا بالک
ورفعنا لك ذكرك (۱۱)

گیتوں کی ہیئت میں نعتیہ نظمیں مظفر وارثی کی شاعری میں کثرت سے ملتی ہیں ۔اس ہیئت میں ان کے تجربے بہت کامیاب رہے ہیں جس کی وجہ سے ان کی نعتیہ شاعری میں انفرادیت نمایاں ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر عزیز احسن ان کی نعتیہ شاعری کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں ۔

''مظفر وارثی کی شعری کائنات میں ان کی گیت نما نظمیں ستاروں کی طرح چمک رہی ہیں ۔ان کا ایک خاص اسلوب ہے جس کے حوالے سے ان کی انفرادیت مزید نمایاں ہو گئی ہے ۔ان کی نظمیں اور نعتیہ غزلیں سب ہی مترنم بحروں میں ہیں اور تازہ کاری کے ہنر سے آراستہ بھی ۔ مظفر وارثی کے اسلوب کی دل کشی اور بیاں کی خوبی ان کے کلام سے بھی ظاہر ہوتی ہے اور ان کے لحن کی گونج سے بھی ۔ان کا آہنگ فضائے نعت پر چھایا ہوا لگتا ہے ۔''(۱۲)

مظفر وارثی کو اس بات کا احساس بڑی شدت سے ہے کہ دنیا و آخرت کی کامیابی حضور اکرمؐ کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہے ۔ جیسا کہ علامہ محمد اقبال نے کہا تھا کہ حضور اکرمؐ تک پہنچنا ہی اصل دین ہے ۔ جب تک کوئی شخص آپؐ کے قدموں تک رسائی حاصل نہیں کرے گا وہ ابولہب ہی رہے گا ۔اسی طرح مظفر وارثی کا بھی پختہ یقین ہے کہ حضور اکرمؐ سے قلبی وابستگی ہماری دنیا و آخرت کی فلاح و کامرانی کے لیے بہت ضروری ہے ۔دو شعر ملاحظہ کیجئے ۔

کام آئے گی محبت ان کی
ساتھ کچھ زادِ عدم رکھ لینا
لکھنا مر کر بھی مظفر نعتیں
قبر میں لوح و قلم رکھ لینا (۱۳)

مظفر وارثی کا یقینِ کامل ہے کہ درود پاک کی برکت اور فضیلت سے قبر کی تاریکی روشنی میں بدل جائے گی اس بات کو ایک شعر میں یوں بیان کرتے ہیں ۔

لکھ دو میرے کفن پہ درود
قبر میں روشنی چاہیے (۱۴)

مظفر وارثی نے اپنا تعلق بڑی مضبوطی سے نعتیہ شاعری کی روایت سے جوڑا ہے ۔بعثت نبویؐ کے ساتھ ہی صحابہ کرامؓ نے حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت پیش کرنا شروع کر دیے تھے ۔ان میں ایک مشہور اور

معروف نام حضرت حسان بن ثابتؓ کا ہے جو دربار رسالت کے مشہور نعت گو شاعر تھے جن کے بہت ہی معروف نعتیہ اشعار کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ یا نبیؐ! میری آنکھوں میں آپؐ جیسا حسین وجمیل آج تک نہیں دیکھا۔ کسی ماں نے آپؐ جیسا وجیہہ وجمیل آج تک جنا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے آپؐ کو اپنی مرضی کے مطابق پیدا کیا گیا ہو۔ مظفر وارثی اپنے آپ کو عہد حاضر کا حسان بن ثابت قرار دیتے ہیں۔

آج کا حسان بن ثابت ، مظفر وارثی
ملکِ حمد ونعت میں بے تاج سلطانی کرے (۱۵)

مظفر وارثی بارگاہ رسالت مآبؐ کے مدحت نگاروں کے قبیلے میں منفرد انداز سے پہچانے جاتے ہیں۔ انہوں نے اُردو نعت گوئی میں جو مقبولیت اور پذیرائی حاصل کی ہے وہ انہی کا طرہ امتیاز ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں نبی کریمؐ کی عظمت اور رحمت کا ذخیرہ خاص نظر آتا ہے۔ اُن کی نعتوں میں جو سوز وگداز اور کیف ومستی ہے وہ نبی کریمؐ کی ذات اقدس سے والہانہ محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انہوں نے اردو نعت کو فکری اور فنی طور پر آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا اور ہم عصر شعراء میں منفرد مقام حاصل کیا۔

حوالہ جات:

(۱) مظفر وارثی، **نور ازل** (طبع اول)، لاہور، القمر انٹر پرائزز، اکتوبر ۱۹۹۲ء، ص: ۳۰

(۲) مظفر وارثی، **بابِ حرم** (طبع اول)، لاہور، القمر انٹر پرائزز، نومبر ۱۹۹۲ء، ص: ۱۶

(۳) ایضاً، ص: ۴۳

(۴) ایضاً، ص: ۵۹

(۵) محمد اکرم رضا، پروفیسر، "حضرت مظفر وارثی نعت و مدحت کے ایوان کی شمع روشن"، مشمولہ، **مدحت** شمارہ نمبر ۴۔۵، لاہور، طہ پبلی کیشنز، ص: ۲۱۷

(۶) مظفر وارثی، **نور ازل** (طبع اول)، لاہور، القمر انٹر پرائزز، اکتوبر ۱۹۹۲ء، ص: ۳۹

(۷) ریاض مجید، ڈاکٹر، **اردو میں نعت گوئی** (طبع اول)، لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص: ۵۱۸

(۸) مظفر وارثی، **صاحب التاج** (طبع دوم)، لاہور، علم وعرفان پبلشرز، ستمبر ۲۰۰۰ء، ص: ۱۰۹

(۹) مظفر وارثی، **میرے اچھے رسولؐ** (طبع دوم)، لاہور، القمر انٹر پرائزز، ۲۰۰۲ء، ص: ۵۹

(۱۰) مظفر وارثی، **بابِ حرم** (طبع اول)، لاہور، القمر انٹر پرائزز، نومبر ۱۹۹۲ء، ص: ۵۶

(۱۱) مظفر وارثیؒ، **امی لقبی**، لاہور، علم وعرفان پبلشرز، اگست ۲۰۰۰ء، ص: ۱۹۱۔۱۹۲
(۱۲) عزیز احسن، ڈاکٹر، **پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر**، کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، جولائی ۲۰۱۴ء، ص: ۶۷
(۱۳) مظفر وارثیؒ، **دل سے درِ نبیؐ تک** (طبع اول)، لاہور، القمر انٹر پرائزز، اکتوبر ۱۹۹۲ء، ص: ۸۲
(۱۴) ایضاً، ص: ۶۲
(۱۵) مظفر وارثیؒ، **بابِ حرم** (طبع اول)، لاہور، القمر انٹر پرائزز، نومبر ۱۹۹۲ء، ص: ۵۴